

کمپنیوں کے حصص پر زکوٰۃ کا مسئلہ

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

کمپنیوں کے شیرز پر زکوٰۃ نکالنے کا مسئلہ اکثر لوگوں کے لیے بڑی الجھن کا باعث رہتا ہے جن اصحابِ افتاء کی رایوں کو عام مسلمانوں کے نزدیک اعتبار و اہتمام حاصل ہے انھوں نے اس کا طریقہ یوں سمجھایا ہے کہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے پریشانی میں اضافہ ہو جائے اور انجام کار بہت سے لوگوں کو اس کی ادائیگی ہی سے غفلت ہو جائے۔ پیش نظر مضمون میں شیرز پر زکوٰۃ سے متعلق علماء و اہل افتاء کی رایوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی بعض مسائل پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ نکالنے کے لیے شیرز کی اوسط قیمت کا اعتبار، جن شیرز کی بازار میں کوئی قیمت نہ رہ گئی ہو اور ان کی لشک بھی بند ہو چکی ہو ان کے ساتھ مالِ شمار کا معاملہ کرنے کی تجویز خاص طور پر علماء و اصحابِ فتاویٰ کی خدمت میں برائے غور و فکر پیش ہے۔

زکوٰۃ کی تاکید

قرآن و حدیث میں زکوٰۃ کے نہ ادا کرنے پر بڑی وعید آئی ہے۔ زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اموال و املاک اور خود ہمارے نفس کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ حصص میں عام طور پر لوگ اپنی ضرورتوں سے فاضل پونجی رکھتے ہیں اور اس میں آمدنی بھی مختلف مشتبہ و غیر مشتبہ سرمایہ سے ہوتی ہے اس لیے شیرز کی زکوٰۃ کی ادائیگی پورے طور سے ہونی چاہیے تاکہ وہ اچھی طرح پاک ہو سکے لیکن افسوس کہ شیرز میں سرمایہ کاری کرنے والے بعض کو یہی پتہ نہیں کہ ان میں بھی زکوٰۃ نکالنی ہے اور اکثر کو نہیں معلوم کہ ان میں زکوٰۃ کس طرح نکالیں، بہر مسلمان کو جانتا چاہیے کہ شیرز سے متعلق زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

اور ان میں زکوٰۃ وہ کیوں کر نکالے؟

علماء کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ شیر زپر بھی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔ ایسے اختلافی مسائل میں جس مستند عالم پر اعتماد ہو اس کی رائے پر اللہ کو حاضر و ناظر اور اس کے سامنے اپنے کو جو بادہ سمجھ کر عمل کریں اس باب میں مختلف آراء کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ علماء کرام و اصحاب افتاد ان مختلف رایوں کا جائزہ لے کر کسی بہتر عمل فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کریں کہ اب تک کسی ملک میں کوئی ایک مستقل رائے اس باب میں ابھر کر سامنے نہیں آئی ہے۔ مسئلہ ہنوز غور و فکر کا محتاج ہے شیر زبازار کے مروجہ نظام اور کمپنیوں کے طریقہ کار سے اچھی طرح آگہی اور روح شریعت کا شعور اس طرح کی رائے سازی میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

حصص کی زکوٰۃ میں کمپنی کی نوعیت کا اعتبار

عالم عرب کے ایک عالم شیخ عبدالرحمن عیسیٰ نے اپنی کتاب "المعاملات الحدیثہ واحکامہا" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ شیر زکی زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کمپنی کس طرح کی ہے اور اس کے مطابق زکوٰۃ عائد ہوگی مثلاً اگر کمپنی محض خدمات (Services) فراہم کرتی ہے کسی سامان کی پیداوار اور فروخت نہیں کرتی مثلاً ہوٹل، اشتہار، روڈ ویز، بری یا بحری نقل و حمل، ٹریم وے اور ہوائی پرواز وغیرہ کی کمپنیاں، تو ان کے شیر زمین زکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ کل رقم آلات و عمارت وغیرہ میں لگی ہوئی ہے صرف کمپنی کے نفع پر زکوٰۃ ہوگی اس کے برخلاف اگر کمپنی صنعتی پیداوار اور تجارت میں مشغول ہے تو اس کے شیر زپر بھی زکوٰۃ ہوگی البتہ اس سے عمارت، فرنیچر اور مشینوں کی مالیت کے تناسب سے اس میں جو رقم آئے گی اسے منہا کر دیں گے اور بقیہ پر زکوٰۃ نکالیں گے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عالم اسلام کے مشہور محقق ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہ اس فرق سے ممکن ہے کہ ایک شخص پہلی قسم کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کر کے ساہا سال تک کوئی زکوٰۃ نہ نکالے کہ اصل پر زکوٰۃ نہیں اور نفع خرچ کرتا رہے جبکہ اتنی رقم ایک دوسرا شخص موخر الذکر قسم کی کمپنیوں میں رقم نکال کر اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ دیتا رہے یہ ایسی ناانصافی کی بات ہے جسے شریعت گوارہ نہیں کر سکتی بلکہ ڈاکٹر قرضاوی کے مطابق مکروہاً

دو طرح کی کمپنیوں میں بائیں طور فرق کرنا کہ ایک کو زکوٰۃ سے بری کر دیں اور دوسری پر زکوٰۃ لازم کر دیں، اس کی قرآن وحدیث یا اجماع و قیاس سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ دونوں کے شیر زمال نامی ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی قسم کی کمپنی زیادہ ہی نفع بخش ہو۔ ڈاکٹر قضاوی کے مطابق اگر اس بنیاد پر فرق کرنا ہی ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں خدما کی کمپنیاں ہوں وہاں نفع پر عشر (دسواں حصہ) زکوٰۃ میں لیا جائے اور جہاں سامان کی پیداوار اور تجارت ہو وہاں شیر زکوٰۃ کی بازاری قیمت پر نیز کوئی نفع ہو تو اسے ملا کر ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جائے۔

ہندوستان کے علماء بھی زیادہ تر اسی کے قائل ہیں کہ شیر زکوٰۃ میں بلڈنگ مشین اور فرنیچر وغیرہ وضع کر کے جو بچے اس پر زکوٰۃ ہوگی یہ

۱.۲.۱. سے متعلق ایک غلط فہمی

یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا (U.T.I.) میں سرمایہ کاری پر زکوٰۃ سے متعلق ایک متفقہ کے جواب میں مفتی نظام الدین اعظمی صاحب فرماتے ہیں کہ اس ادارہ میں لگائی گئی تمام رقم پر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے بلکہ اس ادارہ میں اثاثہ مثلاً فرنیچر و مشینوں و عمارت وغیرہ پر جو رقم خرچ ہوگئی ہے اس کو حسب حصہ وضع کر کے جو رقم ڈیپازٹ ہو اور جو سامان تجارت کا ہو اور نفع کی رقم ہو اس میں حسب حصص جس کے حصہ میں جتنی رقم آئے فقط اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی یہ آگے چند سطروں کے بعد یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں سرمایہ کاری پر زکوٰۃ کا حکم بتاتے ہوئے شکر مل یا دوسری چیزوں کی پیداوار کرنے والی کمپنیوں کی مثال دی گئی ہے گویا، U.T.I. بھی کوئی اس طرح کی پیداوار کرنے والی کمپنی ٹھہری۔ حالانکہ یہ محض سرمایہ کاری کا ادارہ یا میچول فنڈ ہے جو سرمایہ جمع کر کے دوری کمپنیوں کے حصص خریدتا ہے یہ دراصل چھوٹے چھوٹے سرمایہ کاروں اور مختلف کمپنیوں کے درمیان ایک درمیانی واسطہ کے طور پر کام کرتا ہے، اس کی مثال میں شوگر فیکٹری کو نہیں پیش کر سکتے۔ میچول فنڈس کے ذریعہ جو سرمایہ کاری ہوتی ہے اس میں زکوٰۃ کے لیے کمپنیوں کی نوعیت معلوم کرنا اور مشکل ہے۔

جملہ شیرز کے ساتھ عروض تجارت کا معاملہ

راقم کا عرصہ سے یہ خیال رہا ہے کہ آبپاشی کے اونٹ بھینتی کے بیل اور وہ آلات و اذکار جن سے آدمی خود کام لیتا ہے اور جنھیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان پر ان سرمایہ داروں کی بڑی بڑی کمپنیوں کو قیاس کرنا جنھیں چلانے کے لیے ملازمین ہوتے ہیں اور سرمایہ کار کو ان سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کچھ زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کے سلسلہ میں گنہگار الگ قانونی وجود رکھتی ہیں اگر خود کمپنی پر زکوٰۃ عائد ہو جیسا کہ بعض مسالک میں ہے تو کمپنیوں وغیرہ کا الگ حساب کرنا اور انھیں مستثنیٰ کرنا قرین قیاس بھی ہے اور آسان بھی ہے۔ لیکن اس کے شیرز خریدنے والے کے لیے نوشین اور دیگر اثاثہ جاتا سب برابر ہیں، اسے نوشیز زکی ویلیو سے مطلب ہے، وہ اس کو عروض تجارت کے طور پر خریدتا اور فروخت کرتا رہتا ہے، وہ اگر اسے لیے عرصے کے لیے روکتا ہے تو بھی دیکھتا رہتا ہے کہ اس کے شیرز کی قیمت کتنی بڑھی، اس لیے مختلف کمپنیوں اور ان کے اثاثوں اور سامانوں میں تفریق کرنے اور ان میں سے بعض کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے بجائے شیرز کی کل مالیت پر سامان تجارت کی طرح ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہونی چاہیے۔ مجھے بعد میں یہ پڑھ کر اطمینان اور خوشی ہوئی کہ اسی طرح کا خیال شیخ ابو زہرہ شیخ عبدالرحمن حسن اور شیخ خلاف بھی رکھتے ہیں۔ علامہ یوسف القرضاوی نے ان شیوخ کی رايوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ افراد کی حد تک یہ شکل بڑی مناسب ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنے شیرز کی ویلیو معلوم ہوتی ہے اور اس کو ان کا سالانہ نفع بھی معلوم ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے آسانی سے ان کی زکوٰۃ نکال سکتا ہے جب کہ اول الذکر رائے جس میں دنیا بھر کی تفریقات ہیں، عام آدمی کے لیے ان کا معلوم کرنا اور حساب لگانا بڑا مشکل ہے علامہ کی رائے میں بھی اگر کوئی اسلامی حکومت کمپنیوں سے براہ راست زکوٰۃ وصول کرتی ہے تو کمپنی اسی طرح کا حساب لگا سکتی ہے اور پہلی رائے کے مطابق عمل کرے۔ دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک فتویٰ اس طرح کا نظر سے گزرا جس میں کل اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ دینے کو کہا گیا ہے۔ کسی نے دریافت کیا ”زید نے ایک کمپنی کے پندرہ حصے ۵ ہزار میں خریدے، اس میں جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سالانہ تقسیم ہو کر حصہ داروں کو

مٹا ہے، زید کو بھی پانچ سو روپے ملے۔ آیا زید کے ذمہ پانچ ہزار کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا منافع سالانہ کی رقم پر زکوٰۃ لازم ہوگئی؟ اس کے جواب میں تحریر ہے ”زید کو پانچ ہزار کی زکوٰۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے۔ کذا فی الدر المنحتر“ بشہ

شیرزکی زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے کمپنی کے قابل زکوٰۃ یا ناقابل زکوٰۃ اثاثوں میں تفریق کی جانے لگی یا نہیں؟ اس سے متعلق پیچھے مذکور دو راولوں کو تحریر کرنے کے بعد مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ان دو راولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ”اگر کسی نے کمپنی کے منافع میں شرکت کے لیے شیر لیا ہے تو اس کو عروض تجارت میں شمار کرنا مشکل ہے اس میں گنجائش ہے کہ اگر کسی کے لیے قابل زکوٰۃ اور ناقابل زکوٰۃ اثاثوں کی تحقیق ممکن ہو تو وہ تحقیق کر کے صرف قابل زکوٰۃ اثاثوں کی حد تک زکوٰۃ دے اور جو شخص یہ تحقیق نہ کر سکتا ہو وہ احتیاطاً پوری بازاری قیمت کی زکوٰۃ دے دے اور اگر کسی نے شیر ز تجارت کرنے (Capital gain) کے لیے اور آگے بیچ کر نفع کمانے کے لیے خریدا ہے تو یہ عروض تجارت میں شمار ہوگا۔ اس لیے کہ گویا اس نے کمپنی کے اثاثوں کا ایک متناسب حصہ آگے بیچنے کے لیے خریدا ہے، اس لیے تمام قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس طرح مولانا کے نزدیک سرمایہ کاری کرنے والے نے جب کمپنی کے منافع میں شرکت کے لیے شیر لیا ہے اور وہ ناقابل زکوٰۃ اثاثوں کی مالیت معلوم کر سکتا ہے تو اسے زکوٰۃ دیتے وقت وضع کر سکتا ہے۔ راقم کی ناچیز رائے میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا، اس صورت میں کہ ایک شخص اونٹوں سے اپنے کھیتوں کی آبپاشی کر کے یا اپنے بیلوں کو اپنے کھیتوں پر استعمال کر کے یا اپنی گھریلو صنعتوں میں آلات و اوزار سے کام لے کر اپنی محنت سے پیداوار کرتا ہے یا اپنا وہ شرکت کا کاروبار جس میں اسے عمل دخل حاصل ہے اور جس کے حصص کی کوئی مارکٹ نہیں ہے، ان پر ان عظیم الشان کمپنیوں کو قیاس کرنا جو اپنا ایک الگ قانونی وجود رکھتی ہیں اور جس میں عام حصہ داروں کا کوئی عمل دخل نہیں رہتا جس کے حصص کی ایک مارکٹ ہوتی ہے اور ہمہ آں ان کی تجارت ہوتی رہتی ہے اور جن کے عام حصہ داروں کا اپنا اصل کام دھام کچھ اور ہوتا ہے، عموماً وہ اپنی بچت کو جو حالت اصلہ سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے، اس کمپنی میں نکال رکھتا ہے کہ اگر یوں ہی پڑی رہے تو خرچ ہو جائے یا زکوٰۃ ہی چند سالوں میں بہت کم کر دے، کچھ زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ان بڑی کمپنیوں میں اس طرح کی اجازت

سے اس کو بڑی آسانی سے زکوٰۃ سے بچنے کے ایک حیلہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، ایک شخص آبپاشی کے اونٹ، باربرداری کے جانور، کاشتکاری کے بیل، ذاتی گھریلو صنعتوں کی مشینوں کو ہمیشہ ایک حد کے اندر رکھے گا لیکن ہوائی پرواز کی کمپنی، ریلوے اور ٹراموے جہاز رانی وغیرہ میں لمبے عرصہ کے لیے نصاب سے اوپر کی ساری رقم لگا سکتا ہے اور مشینوں اور آلات و اوزار کی زکوٰۃ سے چھوٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بالکل بچ سکتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر قضاوی نے بھی اس شبہ کا انہار کیا ہے۔ جن کمپنیوں میں صنعت و تجارت دونوں ہی کام آتے ہیں ان سے ہر وقت یہ پتہ لگانا کتنی رقم آلات و اوزار، عمارت و فرنیچر اور مشینوں میں لگی ہے اور کتنے کا دیگر سامان ہے، آسان نہیں ہے کمپنی کے سالانہ میزانیہ سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے لیکن ایک شخص دسیوں کمپنیوں میں سرمایہ کاری کیے ہوتا ہے، ایک آدھ کے میزانیہ سے یہ بات کسی حد تک معلوم بھی ہوگی تو بیشتر کے بارے میں وہ الجھن ہی میں رہے گا۔ بہت سی کمپنیاں میزانیہ پابندی سے شائع نہیں کرتیں عام طور پر رکھتا بند ہونے (Book closing) کے کئی ماہ بعد میزانیہ شائع ہوتا ہے فرض کیجئے ایک آدمی رمضان یا مارچ میں اپنی زکوٰۃ کا حساب کرتا ہے کمپنی بھی اپنا حساب اسی ماہ میں کرتی ہے مگر ڈاکٹر کٹر مس کی میننگ وغیرہ کے بعد اس کا نتیجہ آنے میں چھ مہینے لگ جاتے ہیں، اب ایک شخص کو چھ ماہ زکوٰۃ کی ادائیگی روکے رکھنا پڑے گی کہ حساب آجائے تو اس کے مطابق زکوٰۃ دے مزید یہ کہ کمپنیوں کے نزدیک فلکسڈ اثاثوں (Fixed Assets) کی جو تعریف ہے اور ان کی تقویم (Evaluation) کا جو طریقہ ہے ضروری نہیں کہ وہ شرعی لحاظ سے بھی صحیح ہو۔ بہت سے حضرات بڑی آسانی سے مشورہ دیتے ہیں کہ کمپنی سے معلوم کر لیا جائے کہ میری کتنی رقم فلکسڈ اثاثوں (Fixed Assets) میں لگی ہے لیکن ہر کمپنی سے اس طرح کی معلومات حاصل کرنا آسان نہیں ہے، پھر بہت سی کمپنیوں کی لسٹنگ بند ہو جاتی ہے، کئی سالوں سے ان کی سالانہ رپورٹ ہی نہیں ملتی، ان کا کیا ہو؟ غرض یہ کہ ان سالے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس طرح کی مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کے حصص پر زکوٰۃ کا ایک طریقہ ہو یعنی ان کے ساتھ عروض تجارت کا معاملہ کرتے ہوئے بلا تخصیص ان کی کل مالیت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ لگانی جائے۔

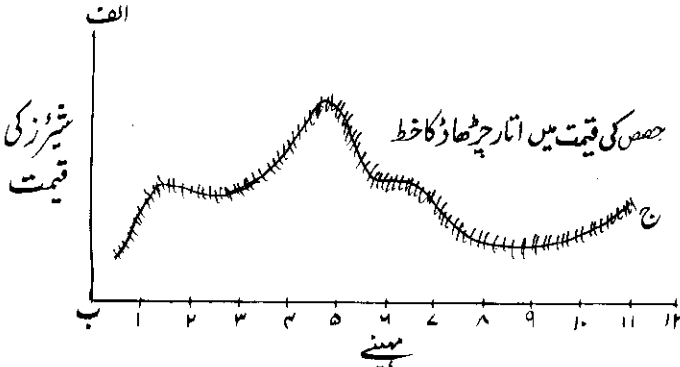
زکوٰۃ کے لیے کس مالیت کا اعتبار ہو؟

شیرزکی زکوٰۃ کے سلسلے میں ان کی کس مالیت کا اعتبار ہوگا یہ بھی ایک حل طلب مسئلہ ہے، شیرزکی ایک قیمت تو وہ ہوتی ہے جو ان کے سٹریفکٹ پر لکھی ہوتی ہے جس کو قیمت عرفی (Face Value) کہتے ہیں، شیرز کے اجراء کے وقت بڑی حد تک ان کی صحیح ویلو دی ہوتی ہے جو سٹریفکٹ پر درج ہوتی ہے، لیکن بہت سے شیرز پر بیمیم پر جاری ہوتے ہیں یعنی ان کی قیمت عرفی تو مثلاً وہی دس روپے ہوتی ہے لیکن کمپنی ان کی فروخت زائد رقم لے کر کرتی ہے، اس شکل میں قیمت عرفی کے ساتھ پر بیمیم ملا کر شیر کی مالیت ہوئی، اجراء کے بعد اثاثہ جات کی خرید اور کام کی شروعات کے ساتھ قیمت عرفی یا قیمت عرفی مع پر بیمیم جس پر شیرز فروخت ہوا تھا، وہ حقیقی مالیت کی نمائندہ نہیں رہتی۔ اس کی قدر میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جس کا عکس ہم اس کی بازاری قیمت میں دیکھ سکتے ہیں۔ شیرز کی حقیقی مالیت اس کی Break up value سے معلوم ہو سکتی ہے یعنی اگر کمپنی تحلیل ہو تو ہر شیر کے مقابلے میں کمپنی کے اثاثوں کا جو حصہ آئے وہ اس کی بریک اپ ویلو ہے، مگر اس کی تعیین اتنی مشکل ہے کہ زکوٰۃ کے لیے اس کا انتظار و اعتبار نہیں کیا جاسکتا، ان وجوہ کی بنا پر تقریباً تمام علماء عصر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کے لیے شیرز کی بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا۔

اوسط مالیت کا اعتبار

لیکن شیرز کی بازاری قیمت کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ ہمیشہ شیرز کی حقیقی ویلو کے مطابق نہیں ہوتی۔ ان کی قیمت میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جن میں کچھ تو واقعی شیرز کی حقیقی مالیت کا پتہ دیتے ہیں لیکن بہت سے عوامل حقیقی مالیت کی غمازی نہیں کرتے۔ مثلاً جنگ یا سیاسی عدم استحکام، سرمایہ کاری کے بیرونی اداروں کے اثرات، بجٹ اور حکومت کی پالیسی، زرکی رسد میں بے تحاشا اضافہ، اندرونی تجارت، مانسوں کے اثرات اور اقواہوں کی وجہ سے قیمت میں اچانک گراؤٹ حقیقی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتا، سب کو یہ اندازہ

ہوتا ہے کہ یہ ایک عارضی سبب ہے جس کا اثر دیر تک بھی رہ سکتا ہے اور جلد زائل بھی ہو سکتا ہے، اب اگر کوئی اس وقت اپنے شیئرز کو فروخت کرتا ہے تو اس کے حق میں بازار کی قیمت ہی اس کے شیئرز کی اصل قیمت ہے لیکن جو لمبے عرصہ کے لیے سرمایہ کاری کرتے ہیں ان کے لیے قیمت کا یہ آئے دن کا اتار چڑھاؤ صرف کاغذی ہوتا ہے، اصل اہمیت اس تغیر کی ہے جو کمپنی کی فی حصہ کمائی (E.P.S. Earning per share) کے نتیجے میں ظاہر ہو، شیئرز کی بازاری قیمت میں جو تغیر ہوتا رہتا ہے اس کو درج ذیل شکل میں ظاہر کر سکتے ہیں۔



اس رسم بیانی میں خط الف پر شیئرز کی قیمت کو ناپا گیا ہے اور خط ب پر مہینے۔ خط ج شیئرز کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کو دکھا رہا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شیئرز کی قیمت کا ایک یومیہ کردار ہوتا ہے اور ایک طویل المیعاد، یومیہ تغیرات میں شیئرز کی قیمت میں مستقل اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور طویل المیعاد تغیرات کے حساب سے ایک خاص عرصہ تک شیئرز کی قیمت یومیہ اتار چڑھاؤ کے علی الرغم مجموعی طور پر مستقل گرتی چلی جاتی ہے۔ یہ زوال یا کساد کا دور ہوتا ہے، پھر شیئرز کی قیمتوں میں عروج شروع ہوتا ہے۔ اس طویل المیعاد عروج کے دور میں بھی یومیہ قیمتیں گرتی چڑھتی رہتی ہیں لیکن عمومی طور پر قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ ان تغیرات کو شیئرز کی قیمتوں کے اشاریے سے ناپتے ہیں جن میں کچھ منتخب کمپنیوں کے حصص کی قیمتوں کے تغیر کا اوسط رجحان معلوم کرتے ہیں چونکہ اس میں ہزار ہا کمپنیوں میں سے کچھ منتخب مثلاً بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں ۴۰ کمپنیاں کمپنیوں کے اور نیشنل اسٹاک ایکسچینج میں سو منتخب کمپنیوں کے حصص کے تغیر کو ناپتے

ہیں اس لیے یہ انفرادی طور پر کمپنی کے لیے صحیح نہیں ہوتا ہے حصص کے اس یومیہ آٹا چڑھاؤ اور کچھ حادثاتی اسباب کی وجہ سے اچانک بڑا تغیر زکوٰۃ نکالنے والے کو سخت کشمکش میں ڈال سکتا ہے، اس کی وجہ سے کبھی تو زکوٰۃ دینے والے پر کافی بوجھ پڑ سکتا ہے اور کبھی مستحقین زکوٰۃ گھٹے میں رہ سکتے ہیں، مثلاً کسی نے ایک درجن کمپنیوں میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے آج اسے زکوٰۃ نکالنی ہے، ابھی چند ہفتوں تک شیئرز کے دام بڑے کم تھے، ذرا نسون اچھا ہو گیا تو ان کمپنیوں کے دام بہت بڑھ گئے، لیکن پتہ نہیں ایک ہفتہ بعد کیا حال رہے گا، پھر ان کمپنیوں میں سے دو تین نے حق اجراء (Right issue) کا اعلان کر دیا ہے، اس کی وجہ سے دام بڑھ گئے ہیں، ایک کمپنی بونس دینے والی ہے (گو ابھی نہیں دیا ہے) اس کے دام بھی کافی بڑھ گئے ہیں رائٹ اور بونس والی کمپنیوں کے دام یقیناً تاریخ رکارڈ (Record Date) کے بعد بہت گرجائیں گے۔ اب وہ شخص ان شیئرز کے آج کے دام کے مطابق زکوٰۃ نکالنا ہے تو اسے اس سے بڑھی ہوئی قیمت کے مطابق بہت زکوٰۃ نکالنی پڑے گی، حالانکہ اس بڑھی ہوئی قیمت کا اسے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس نے بلے عرصے کے لیے سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس کی ایک درجن میں سے بہت سی کمپنیوں کے حصص کی قیمت گرجائے گی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیئرز کے دام زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ سے قبل تو بڑے اونچے تھے مگر کسی کمپنی کے ڈائریکٹر کی موت سے کمپنی میں قفل بندی کسی میں رائٹ الٹو ختم ہونے کی وجہ سے دام بہت گر گئے اور عام رچان بھی گراؤ کا شروع ہو گیا ہے۔ اب اس صورت حال سے زکوٰۃ پانے والوں کا گھانا ہو گا کہ اب موجودہ قیمت کے حساب سے زکوٰۃ کم نکلی گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی سرمایہ کاری کی ویڈیو گھٹ کر نصاب سیم و زر سے کم ہو جائے اور وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے صاف چھوٹ جائے حالانکہ اس کے پاس اب بھی اتنے ہی حصص ہیں جتنے ان ناگہانی حادثات یا عارضی اسباب کے وقوع سے پہلے تھے اور اس وقت ان حصص کی مالیت اتنی تھی کہ وہ صاحبِ نصاب تھا، اسی طرح معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے پاس حصص کا مجموعہ تو اتنا ہی برقرار رہے لیکن عارضی اسباب کی بنا پر بعض کمپنیوں کے حصص کے دام اتنے بڑھ گئے کہ وہ صاحبِ نصاب ہو گیا جب کہ کم قیمت کے حساب سے وہ صاحبِ نصاب نہیں تھا، اس طرح سال کے مختلف اوقات میں قیمتوں کے تغیر کی وجہ سے

وہ صاحبِ نصاب اور بے نصاب ہو سکتا ہے، ایک اور مثال سے شیئرز کی قیمتوں کے تغیر کے متضاد اثرات ملاحظہ کیجئے۔ دو اشخاص ہیں، دونوں کے پاس ایک ہی طرح کی کمپنیوں کے ایک ہی مقدار میں حصص ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ایک کا حوالانِ حول مارچ میں اور دوسرے کا ستمبر میں پورا ہوتا ہے، دونوں نے طویل المیعاد سرمایہ کاری کر رکھی ہے، فرض کیجئے مارچ میں عام طور پر بجٹ کی غیر یقینی صورت حال اور مارکٹ کے اثرات سے شیئرز کے دام بہت گر جاتے ہیں، جبکہ ستمبر میں عموماً دام بڑھ جاتے ہیں اب یہ دو اشخاص جو ایک ہی طرح کے برابر تعداد میں شیئرز کے مالک ہیں، زکوٰۃ کی حد تک دو مختلف نتائج سے دوچار ہوں گے۔ ایک کو زیادہ زکوٰۃ نکالنی پڑے گی ایک کو بہت کم جس کو زیادہ نکالنی پڑے گی وہ شاید طیب نفس سے نہ نکالے اور جسے کم نکالنا ہے وہ ققرار و مساکین کو مایوس کرے گا۔ اس صورتِ حال میں کمپنیوں کے معاملات پر نظر رکھنے والے اور علماء کرام کو غور کر کے کوئی ایسا حل نکالنا چاہیے کہ بازاری قیمت کا پر تشدد تغیر جو عموماً عارضی اور بے بنیاد اسباب کی بنا پر ہوتا ہے، اس کے منفی اثرات کو کم کیا جاسکے اور دونوں کو متاثر ہونے سے بچایا جاسکے اور زکوٰۃ نکالنے کے لیے ایک مستحکم بازاری قیمت بطور بنیاد کے دریافت کی جاسکے، راقم السطور کی سمجھ میں اس کا ایک حل یہ آیا ہے کہ اوسط قیمت کو زکوٰۃ کی بنیاد بنایا جائے شیئرز کی معلومات دینے والے معاشی جرائد شیئرز کی تین قیمتیں چھاپتے ہیں ایک تو روازنہ کی حالیہ قیمت اور دوسرے ۵۲ ہفتوں کی سب سے اونچی قیمت اور سب سے کم قیمت جس پر وہ شیئرز فروخت ہوا ہو۔ اگر ان تینوں قیمتوں کا اوسط نکالا جائے جو صل سامنے آئے گا وہ کسی شیئرز کی بے بنیاد حادثاتی بہت زیادہ قیمت یا بہت کم قیمت کے مقابلہ میں اس کی حقیقی قیمت سے زیادہ قریب ہوگا۔

مثلاً کسی شیئرز کی حالیہ قیمت ۴۰۰ ہے اور ۵۲ ہفتہ کی سب سے زیادہ قیمت ۴۱۰ اور سب سے کم قیمت ۲۱۰ رہی ہے تو ان کی اوسط قیمت ان تینوں قیمتوں کے مجموعہ ۱۰۲۰ کو تین سے تقسیم کرنے کے بعد اوسط ۳۴۰ آتا ہے، اسی طرح اگر موجودہ قیمت ۲۰۰ ہے تو تینوں قیمتوں کے مجموعہ ۸۲۰ کو تین سے تقسیم کرنے کے بعد اوسط ۲۷۲ آتا ہے۔

اس میں زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے دونوں کی رعایت ہے۔ یاد رہے کہ یہ حل اس سرمایہ کاروں کے لیے ہے جو کمپنی کے منافع میں شرکت کی غرض سے لمبے

عرصے کے لیے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور فی الحال شیرز فروخت نہیں کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے قیمت میں اضافہ یا کمی صرف کاغذی نفع نقصان ہوتا ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے شیر کی حقیقی ویلیو یا اس سے قریب ترین قیمت کو بنیاد بنایا جائے، رہے وہ لوگ جو کسی موجودہ بازاری قیمت پر اپنے شیرز فروخت کریں ان کے حق میں موجودہ قیمت ہی زکوٰۃ کی بنیاد ہوگی کیونکہ انہوں نے موجودہ قیمت جو خواہ حقیقی ہو یا غیر حقیقی اس کو حاصل کر لیا ہے ان کے لیے ۵۲ ہفتوں کی اعلیٰ یا اسفل قیمت بے معنی ہے۔

اوسط مالیت کو زکوٰۃ کی بنیاد بنانے کے حق میں شرعی دلائل

یہاں یہ سوال ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ کیا اوسط کو بنیاد بنانے کے حق میں شریعت سے کوئی دلیل ہو سکتی ہے ہم نے اس سوالیہ نشان کے ساتھ کتاب و سنت پر نظر ڈالی تو فوراً کفارہ میں سے متعلق درج ذیل آیت:

فَلْكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ
مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا لَطَفَمُونَ
أَهْلِيكُمْ (المائدہ: ۸۹)

سواں کا کفارہ کھانا دینا ہے دس تمباؤں
کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر
والوں کو۔

ذہن میں آئی، اس کی تفسیر میں امام قرظبی فرماتے ہیں:-

”اور وہ (یعنی اوسط) یہاں دو درجات
کے درمیان کا درجہ ہے اور دو اتہاؤں
کا نصف مراد ہے، اسی معنی میں حدیث
ہے کہ معاملات کا سب سے اچھا اس کا
اوسط ہوتا ہے“ امام ابن ماجہ نے تخریج
کی ہے کہ ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا
ہے کہ ہم سے عبدالرحمن بن مہدی نے
بیان کیا ہے کہ ہم سے ابن عیینہ نے سلیمان
بن مغیرہ سے سن کر اور انہوں نے سعید
بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت ابن

ہوہنا منزلة بن منزلتین
و نصفاً بین طرفین ومنہ
الحدیث خیر الامور وسطها
وخرج ابن ماجہ حدیثا
محمد بن یحییٰ حدیثا عبد
الرحمن بن مہدی حدیثا
ابن عیینہ عن سلیمان بن ابی
المغیرة عن سعید بن جبیر
عن ابن عباس قال کان
الرجل یقوت اہله قوتاً

فیه سعة وكان الرجل
 یقوت اهلہ قوتاً فیه شدة
 فنزلت "من اوسطاً تطعمنا
 اهلکم" وھذا یجذل علی
 ان الوسط ما ذکرنا وھو
 ما کان بین سثنیٰ ﷺ
 عباس سے روایت کی کہ آدمی اپنے گھر
 والوں کو کبھی بڑی وسعت کے ساتھ کھلاتا
 ہے اور کبھی بڑی تنگی کے ساتھ، چنانچہ
 آیت نازل ہوئی کہ من اوسط ما
 تطعمون اھلیکم یعنی جو تم اپنے
 گھر والوں کو کھلاتے ہو اس کے اوسط
 درجے کا۔ اس سے پتہ چلا کہ اوسط کے
 معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کیے یعنی جو دو
 چیزوں کے درمیان ہو۔

مذکورہ بالا تفسیر سے پتہ چلا کہ جہاں کئی معیار ہوں وہاں اوسط کو اپنانا بہتر ہے۔
 جس طرح سال میں کبھی انسان اپنے گھر والوں کو مرغ طیدہ کھلاتا ہے وہیں کبھی موٹا جھوٹا
 یا سادہ سودا کھا کھلا لیتا ہے اس لیے قسم کے کفارہ میں بجائے آدمی کو اس کا مکلف
 کرنے کے کہ مسکینوں کو اعلیٰ قسم کی دعوت دے یا اس کو اس بات کی اجازت دینے
 کے کہ جیسا تیسارو کھا پھیکا کھلا دے یہ کہا گیا کہ جو اوسط یا درمیانی شکل ہے اس کو اپنایا
 جائے، اس لیے کہ پہلی شکل اگر غریبوں کے حق میں بہتر ہے تو کفارہ دینے والوں کو زبیر بار
 کرنے والی ہے اور دوسری شکل کفارہ دینے والے کے لیے اچھی ہو سکتی ہے لیکن مسکینوں
 کو افسردہ کر سکتی ہے۔ یہ بھی نہیں کہا گیا کہ قسم کھانے کے دن کا کھانا یا قسم توڑنے والے
 دن جو کھانا کھے وہ کھانا کھلا دینا بلکہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ، اس درمیانی شکل میں دونوں
 کی مصلحتوں کی رعایت ہے، کمپنیوں کے شیرز کی قیمت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ سال کے
 درمیان کبھی تو وہ بہت بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے کبھی عام گراؤٹ اور افسردگی
 کی وجہ سے شیرز کی جو حقیقی یا عرفی قدر ہوتی ہے اس سے بھی کم پر ملتے ہیں اور کبھی پرامیدی
 اور فروغ کا عالم ہوتا ہے تو ان کی قیمتیں ان کی حقیقی قدر سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں،
 اسلامی معاشیات کے ماہرین اس پر کافی غور کر رہے ہیں کہ کس طرح حصص کی قیمت
 کو ان کی حقیقی قدر کے مطابق رکھا جاسکے۔ بہر حال جیب تک اس کی کوئی صورت نہیں نکلتی
 اوسط قیمت کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کے لیے روانہ کرتے ہوئے یہ نصیحت کی کہ خبردار لوگوں کے بہترین مالوں کو ہی جن کر صدقہ میں نہ لینا (ایاک وکرائم اموالہم) ﷺ

امام ترمذی نے ابواب الزکوٰۃ کے تحت باب ماجاء فی زکوٰۃ الابل و الغنم میں حضرت ابن شہاب الزہری کا قول نقل کیا ہے کہ جب عامل صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے آتا تو بکریوں کو تین حصوں میں بانٹ دیتا ایک تہائی بہترین بکریوں کو چھانٹ کر الگ کر دیتا، ایک تہائی اوسط قسم کی الگ کرتا اور ایک تہائی مریل قسم کی علاحدہ کر دیتا اور پھر صدقہ وصول کرنے والا درمیانی قسم کی بکریوں سے وصول کرتا ﷺ

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مال کی کئی نوعیتیں (Qualities) یا قیمتیں ہوں وہاں اوسط کا اعتبار کرنا شریعت میں مطلوب و مرغوب یا کم از کم مباح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وھو بھدی الی سوار الصراط۔

مجهول الحال شیراز

ہندوستان میں موجود شیراز بازار نے جو کہ عرصہ سے ماٹل بہ کساد ہے، کچھ نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ان میں خاص طور پر ان شیراز کا مسئلہ ہے جن کی کوئی بازاری قیمت نہیں رہ گئی ہے، ان کی خرید و فروخت اور اسٹاک ایکسیجینس میں سننگ بھی بند ہو چکی ہے۔ ان کے بارے میں کمپنیاں بھی کوئی رپورٹ فراہم نہیں کرتیں۔ ان میں ایسے شیراز بھی ہیں جو کبھی سو روپے کے تھے اور اب ایک روپے میں بھی کوئی نہیں پوچھتا اور ایسے بھی ہیں جو کبھی پریمیم کے باوجود الاٹ نہیں ہوئے جبکہ آج اپنی قیمت ریمے سے بھی گزر کر اس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ راقم کے خیال میں زکوٰۃ کے سلسلہ میں ان شیراز کے ساتھ مال ضمار کا معاملہ ہونا چاہئے، جب ان کی قیمت کا پتہ لگ جائے یا جب بازار میں ان کی کوئی قیمت طے ہو جائے یا ان کی سننگ شروع ہو جائے تو ان پر حسب مسلک، گذشتہ سارے سالوں کی یا کم از کم ایک سال کی زکوٰۃ نکالی جائے۔ دوری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کے طریقہ کے مطابق ان کی جو ویلیو ٹھہرتی ہے اس کا اعتبار کیا جائے۔ بہر حال یہ مسئلہ مزید غور و فکر کا محتاج ہے۔

حواشی

- ۱۔ القضاوی، یوسف، فقہ الزکوٰۃ، بیروت جداول ص ۵۲۳
- ۲۔ ایضاً ص ۵۲۵
- ۳۔ اعظمی، مفتی نظام الدین، منتخبات نظام القضاوی، نئی دہلی، اسلامی فقہ اکیڈمی جداول صفحات ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱ ص ۵۵ ایضاً
- ۴۔ القضاوی، یوسف، فقہ الزکوٰۃ جداول ص ۵۲۷
- ۵۔ ایضاً ص ۵۲۸
- ۶۔ فتاویٰ محمد ظفر الدین (مرتب) قنادی دارالعلوم دیوبند، افادات مولانا عزیز الرحمن عثمانی طبع ثانی دیوبند ۱۹۷۲، جلد ۸ صفحہ ۱۹
- ۷۔ عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، دیوبند، صفحات ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶ ایضاً ص ۹۷
- ۸۔ اللہ القزوی، ابو عبد اللہ، الجامع الاحکام القرآن، جلد ۶ ص ۲۷۷
- ۹۔ سلسلہ ترمذی، ابوسعید، سنن ترمذی، دہلی کتب خانہ رشیدیہ ص ۸۷ باب ماجاء فی کراہیۃ اخذ خیار المال فی الصدقۃ۔ سلسلہ ایضاً ص ۷۹

ماہنامہ الفتان لکھنؤ

بانی الفتان نمبر

بانی الفتان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی تاریخ ساز شخصیت کی

حیاتی جاگتی تصویر

تقریباً ایک صدی کی سراپا جہد و عمل زندگی کی دستاویز

”شاہ اسماعیل شہید نمبر، شاہ ولی اللہ نمبر اور مجدد الف ثانی نمبر جیسے

تاریخ ساز نمبروں کے بعد

اس سلسلہ زریں کی ایک نئی تاریخ ساز کڑی

مئی ۱۹۷۹ء سے منظر عام پر ہے

صفحات: ۶۷۶ — سائز: ۲۰ × ۲۶ — اعلیٰ ترین کپیوزنگ

بہترین کاغذ - شاندار طبعات - قیمت عام ایڈیشن ۱۱۵/- اعلیٰ ایڈیشن ۱۳۵/-

حصصی علاقوں کے لئے بھی دستیاب ہے۔ ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء کے لئے بھی دستیاب ہے۔

الترقان ہدی کوپا ملے کار: لاہور

ہمارے ہاتھ، ماہنامہ الفتان ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ